ڈاکٹر [illegible]

آج کی خواتین افسانہ نگاروں کی نگارشات

The article deals with the women short story writers of the 21st century. The writers have focussed mainly on the problems faced by women in the beginning of the new century. There are challenges for the 21st century working women and the stress is paid on how they are meeting the problems and hto challenges. They are also facing multiple other responsibilities and fulfilling their destiny imposed upon them by their gender.

اکیسویں صدی کے ابتدائی پانچ سالوں میں خواتین افسانہ نگاروں کے تقریباً بیس افسانوی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان میں "ادھورے سپنے" (ڈاکٹر فہمیدہ خان ۲۰۰۰ء)، "زندگی کے رنگ" (ڈاکٹر عفت آرا، ۲۰۰۱ء)، "پانی اور چٹان" (نجمہ محمود ۲۰۰۱ء)، "اضطراب" (خورشید جبیں چاندنی ۲۰۰۱ء)، "ایک ٹکڑا دھوپ کا" (غزال ضیغم ۲۰۰۱ء)، "دلوں کی حرارت" (فرحت خان ۲۰۰۴ء)، "پیاس" (ماہ جبین نجم ۲۰۰۴ء)، "[illegible]" (ترنم ریاض ۲۰۰۴ء) خاصے معروف ہیں۔ شہرت کی ایک وجہ ناقدین کی توجہ بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ پروفیسر [illegible] احمد انصاری، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر شکیل الرحمٰن، ڈاکٹر ثناء اللہ ندوی اور پروفیسر فہیم انساء کی توجہ اس جانب ہوئی ہے۔

Scanned by CamScanner

پروفیسر اسلوب احمد انصاری "زندگی کے رنگ" پر اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

"یہ افسانے زندگی کے بارے میں ان کے گونا گوں مشاہدات کا
ماحصل ہیں۔ ان کا مواد گردوپیش کی زندگی میں بکھرا پڑا ہے۔
سب افسانے فنی اعتبار سے حقیقت نگاری کے ضمن میں آتے ہیں۔
ان میں تمثیلی انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ ان افسانوں کا موضوع
بیشتر صورتوں میں خاندانی زندگی کی اکائی ہے جس میں فرد کے تمام
اعمال اور رشتے پیوست اور گھلے ہوئے ہیں۔"

پروفیسر ابوالکلام قاسمی مجموعہ "پیاس" کے بارے میں لکھتے ہیں

"ان افسانوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ افسانہ نگار نے زندگی کو
داخلی احساس اور فن کی سطح پر برتنے کی کوشش کی ہے اور ان کے
لیے زندگی کوئی سپاٹ اور اکہری حقیقت نہیں۔ زندگی کی بوقلمونی اور
رنگارنگی ان کے لیے ہزار رنگ جلوہ رکھتی ہے اور افسانہ نگار میں اس
جلوے کے مشاہدے کا حوصلہ بھی ہے اور حقائق کی تلاش کی خاطر
تجسس کا جذبہ بھی۔"

پروفیسر سید ظل الرحمن "تعاقب" کے توسط سے خورشید جبیں کی افسانہ نگاری کے بارے میں
لکھتے ہیں:

"ان کے شام و سحر علی گڑھ کی اقامتی زندگی سے عبارت ہیں۔ ان
کے ذہن میں تازگی اور تخلیقی عنصر پایا جاتا ہے وہ ان کی کہانیوں سے
ظاہر ہے ان کی کہانیاں علی گڑھ کے گرد گھومتی ہیں۔ انھوں نے
یہاں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو کہانی کا روپ دیا ہے۔ ان کے
پلاٹ اور کردار ہال اور کالج کی روز مرہ کی زندگی سے اخذ ہیں

Scanned by CamScanner

اور وہاں کی دلچسپ بزم آرائیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی "پانی اور چٹان" کے تعلق سے رقم طراز ہیں

"پروفیسر بجم محمود ایک معتبر نام اور ایک مستند آواز ہیں جو اردو دانشوری اور تخلیق کی دین کی دنیا میں اپنی خاص پہچان رکھتی ہے۔ یہ پہچان خود ان کی ذات کی دین ہے۔ ان کی ہر تخلیق کا سرچشمہ خلوص ہے۔ اسی خلوص سے تخلیق صحیح معنوں میں زندگی کی ترجمان بنتی ہے جس میں 'سیاست' کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔" پانی اور چٹان" میں شامل ان کی ہر تحریر میں سچائی، خلوص، گہرائی، دانشورانہ و عارفانہ گرفت قاری کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

ان معتبر ناقدین کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے ناقدوں افسانہ نگاروں مثلاً اقبال مجید، سلام بن رزاق، سید محمد اشرف، طارق چھتاری، پیغام آفاقی، مشرف عالم ذوقی وغیرہ نے اپنے تعارفی کلمات سے ان مجموعوں کی پذیرائی کی ہے۔

مقبولیت کی دوسری بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں جس طرح کے مسائل در پیش ہیں وہ مذکورہ مجموعوں میں مختلف زاویوں سے پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں شامل زیادہ تر کہانیاں نہ تو روایتی عشق و محبت کی داستانیں ہیں اور نہ ہی سراسر تجریدی اور علامتی حکایتیں بلکہ عموماً بیانیہ انداز میں لکھی گئی کہانیوں میں زندگی کے مختلف رنگوں کو فطری انداز میں دکھایا گیا ہے۔ فنی ضابطوں سے بڑی حد تک چست درست ان کہانیوں کی بنت میں ایک مرکزی خیال ہے اور ہر کردار اس خیال کی وضاحت کرتا نظر آتا ہے۔ مذکورہ مجموعوں میں کچھ ایسی کہانیاں بھی ہیں جو اپنے اختتام پر کوئی مجموعی تاثر نہیں چھوڑ پاتی ہیں پھر بھی واقعے کی پوری جانکاری ضرور دیتی ہیں۔

موضوعاتی سطح پر دیکھا جائے تو ان مجموعوں میں شامل ۱۳۷ افسانوں میں یوں تو

Scanned by CamScanner

قدروں کا زوال، رشتوں کی پامالی، جنسی کجروی، معاشرہ کی بدحالی، مشینی زندگی کی الجھنیں اور محبت و رومانیت جیسے موضوعات بھی نظر آتے ہیں لیکن جو موضوع زیادہ تر افسانوں پر حاوی ہے وہ ہے دور حاضر میں عورت کو چیلنج کرتا سماج اور اپنے وجود کو ثابت کرتی عورت۔ ان ۱۳۷ کہانیوں میں سے ۱۰۰ کہانیوں کا مرکزی کردار عورت ہے۔ مگر عورت کے تشخص کی یہ کوشش آج سے پہلے لکھنے والوں کی تخلیقات سے کسی حد تک مختلف ہے۔ عورت کے ذریعے خلق کی گئی عورت کی کہانی میں نسائی حسیت کی اپنی انفرادیت و خصوصیت ہوتی ہے۔ ویسے ان تمام کہانیوں میں صرف عورت اور گھر نہیں ہے بلکہ بازار، دفتر، سیاست، فرقہ واریت وغیرہ سبھی کچھ ہے لیکن زور اس بات پر ہے کہ ان سب کا عورت کیسے مقابلہ کر رہی ہے۔ احتجاج کی آواز تو ہمیں رشید جہاں، عصمت چغتائی اور بعد کی افسانہ نگاروں کے یہاں بھی سنائی دیتی ہے مگر یہ احتجاج جتنا پرشور ''ذروں کی حرارت'' میں ہے اتنا شاید ہی پہلے کبھی رہا ہو۔ ثروت خان کے اس مجموعے کی کہانی ''میں مرد مار بھلی'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''ماں کی خواہش اور اس کا غبار ... دونوں نے مل کر اسے فولادی قوت بنا دیا تھا ... آفیسر بننے کے بعد ... کیرتی کو موقع کا انتظار رہتا۔ جیسے ہی تھانے میں کوئی جواں مردی کا کام کرنے والا آتا، تابڑتوڑ اس کا غصہ اس پر برپا ہو جاتا ... وہی باپ ... وہی ماں ... وہی لاتیں، گھونسے ... وہی تملاہٹیں ہنستیں ... اور وہی وجود ... مگر سہما سا نہیں بلکہ غراتا ہوا دھاڑتا ہوا ... نفرت و حقارت کے جذبے سے پُر۔ جب تک وہ نچے نچے نڈھال نہ ہو جاتا کیرتی کا غصہ کم نہیں ہوتا ... کرانے اور نفرت کے ایسے جواہر دکھاتی کہ سب دم دباتے نظر آتے۔''

اسی مجموعے کی دوسری کہانی ''حسن کا معیار'' کا یہ اقتباس دیکھئے

"دونوں میں جھگڑا اتنا بڑا کہ رام اوتار نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے سیتا کو گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا۔ سیتا کو لگا جیسے اسے موت کے شکنجے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے، جہاں عورت کے استحصال کی لاتعداد کہانیوں کے جال اس کی سمت بڑھتے چلے آ رہے ہوں، ڈھیروں لعنتیں، تہمتیں اور اذیتیں بارود بھرے گولوں کی طرح دھائیں دھائیں ایک ساتھ داغی جا رہی ہوں۔ "اتنی بے غیرت عورت میں نے نہیں دیکھی۔ دھکے دے رہا ہوں جب بھی نہیں نکلتی" رام نے سیتا کا ہاتھ پکڑا اور ڈرائنگ روم سے باہر کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ سیتا نے پوری طاقت سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بولی میں خود جا رہی ہوں مسٹر رام اوتار، دھکے دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا سن لو چین سے تو میں تمہیں بھی رہنے نہیں دوں گی۔" سیتا نے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور باہر نکل گئی۔ پولیس تھانے پہنچ کر رام اوتار کے خلاف دھارا ۳۷۷ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے "اورل سیکس" کا جھوٹا الزام لگا کر اس جرم کے لیے اسے گرفتار کر کے سخت سے سخت سزا دینے کی اپیل کی۔ انسپکٹر کے ہر بولڈ سوال کا جواب بے ساختہ ہو کر دیا۔ انسپکٹر نے شکایت درج کرتے ہوئے مناسب کارروائی کرنے کا بھروسہ دلایا اور پھر ایک صبح اس نے اخبار میں خبر پڑھی کہ سیٹھ رام اوتار شرما کو بیوی کے ذریعے لگائے گئے الزام میں پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ سیتا کی آنکھوں میں چمک آ گئی "رام نہ تم میرے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے نہ تمہارا یہ حشر

Scanned by CamScanner

ہوتا۔ اب منہ دکھاؤ دنیا کو۔ میں نے بھی آخر تم سے بدلا لے ہی لیا۔ اب چاہے ضمانت پر چھوٹو یا جیسے کھلاؤ میری بلا سے۔''

یہ ایک نئی سیتا تھی جس کو نہ مصور بنا سکا اور نہ دقیانوسی سماج۔ اس نئی سیتا کو اور سیتا نے تعمیر کیا تھا۔ انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی ان عورتوں کے عمل کو شاید منفی کہا جا سکے یا اخلاقی اعتبار سے ان کرداروں کو پست قرار دیا جائے لیکن نفسیاتی حقیقت نگاری کی سطح پر یہ کردار قابل یقین ہیں۔ ان کہانیوں میں جو عورت ہے وہ گھر میں رہنے والی نوکری کرنے اور نکلنے والی عورت ہے، یہ عورت ایک خاص تیور کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ یہ عورت سماج کی ناانصافیوں کو برداشت تو کرتی ہے مگر وہ اسے نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر ایک دبا دبا احتجاج بیدار ہوتا نظر آتا ہے۔ احتجاج کی یہ آواز مذکورہ بالا تمام افسانہ نگاروں کے یہاں اتنے زور شور سے سنائی نہیں دیتی۔ مثلاً ماہ جبیں نجم کے مجموعے ''جاگی'' کی کہانیاں صرف نسائی حسیت کی ترجمان نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں مرد کے خلاف کوئی شور یا احتجاج ملتا ہے۔ مصنفہ نے حالات کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے کرداروں کے اچھے اور برے اعمال کی تصویر کشی پر اکتفا کیا ہے۔ ان کہانیوں میں عصری فکر و احساس کے ساتھ اپنے دور کی عام زندگی کی عکاسی بڑی خوبی کے ساتھ کی گئی ہے۔ کہانی ''آپا بی'' کی فضا بہت کچھ عصمت کی کہانی ''چوتھی کا جوڑا'' سے ملتی ہوئے ہے۔ بیوہ ماں اپنی دو بیٹیوں کی شادی کی تیاری میں دن بدن گھلتی جا رہی ہیں۔ ایک ایک پیسا جوڑ کر جہیز تیار کر رہی ہیں مگر رشتے ہیں کہ ان کے گھر کا رخ ہی نہیں کرتے۔ ایسے میں بڑی بیٹی آپا بی جو کہ گریجویٹ ہے اپنی شادی کے لیے رکھے گئے کنگن بیچ دیتی ہے اور رشوت دے کر نوکری حاصل کر لیتی ہے۔ حالانکہ ماں اس عمل سے خوش نہیں ہوتیں مگر گھر میں کچھ رونق آ جاتی ہے اور پھر ایک دن وہ اپنی چھوٹی بہن کی شادی بھی کر دیتی ہے۔ آج کی عورت کی قوت ارادی کا یہ مثبت رخ ہے۔ بہرحال یہاں بھی عورت کا یہ احساس مرکزی نکتہ ہے کہ وہ اپنی طاقت سے

Scanned by CamScanner

حالات میں تبدیلی آسکتی ہے۔

''ادھورے سپنے'' میں بظاہر روز مرہ کے عام نظر آنے والی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنانے کے بعد فہمیدہ خان نے ان میں ایسے گوشے تلاش کیے ہیں جہاں عام قاری کی پہنچ نہیں ہو پاتی۔ عورت کی نفسیات پر افسانہ نگار کی گرفت اکثر افسانوں میں عورت مرد کے رشتوں کا تجزیہ پیش کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ فہمیدہ خان نے نوکری پیشہ عورت کے مسئلوں کو اپنی کہانیوں کا خاص محور بنایا ہے اور پھر ان میں محبت اور جنس کے باریک فرق کو نہایت فن کاری سے ابھارا گیا ہے۔

ڈاکٹر عفت آراء کی کہانیاں مرد اور عورت دونوں کو مرکز بنا کر لکھی گئی ہیں۔ بعض کہانیوں کے عنوان شعراء کے مصرعوں سے لیے گئے ہیں۔ جیسے'' ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''۔'' بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن'' تا حد نگاہ غبار ہی غبار ہے۔'' یہ داغ داغ اجالا'' وغیرہ۔ ان افسانوں کا موضوع زیادہ تر خاندانی زندگی ہے جہاں فرد کے تمام اعمال اور رشتے دوسرے افراد کے ساتھ پیوست اور گتھے ہوئے ہیں۔ مرد اور عورت کی باہمی آویزش اور کشمکش سے زندگی بعض اوقات ناقابل برداشت اور اجیرن ہو جاتی ہے تو کہیں بچوں کی موجودگی اس زندگی کو بکھرنے سے بچا لیتی ہے۔ عفت آراء کی کہانیوں میں انگریزی ادیبوں اور ان کی تخلیقات کے حوالے بھی نظر آتے ہیں۔ افسانہ'' خزاں کے رنگ'' میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> ''اس کے ذہن پر ابھرتے ہوئے نقوش میں واضح نقش OPHELIA کا وہ روپ تھا جب وہ اپنے محبوب ہیملٹ کے پاگل ہو جانے کے بعد اور اپنے عزیز باپ کے قتل سے متاثر ہو کر ہمیشہ کے لیے ایک نن بن گئی۔''

شب انتظار کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

Scanned by CamScanner

"اسے انگریزی ادیبوں کی وہ تخلیقات یاد آ گئیں جن میں گاؤں میں رہنے والے غریب طبقے کا ذکر بکثرت پایا جاتا ہے اور خاص طور پر ٹامس ہارڈی اور شیکسپیر نے جس خوب صورتی اور باریک بینی سے ان کا تذکرہ کیا ہے اس میں ابھرنے والی ان کی تصاویر پر کچھ اس فرد سے مختلف نہ تھیں۔"

"گزرتے لمحات کا شعور" میں لکھتی ہیں

"بقول ورڈزورتھ کے ان کی Spontaneous over flow of Powerful feeling تھا۔" اس طرح کے مقولات کہانی کے حسن میں کوئی خاص اضافہ تو نہیں کرتے ہیں مگر بیانیہ پر عفت آراء کی مضبوط گرفت کی گواہی ضرور دیتے ہیں۔"

غزال ضیغم نے مرد اساس معاشرے میں متعصبانہ رویوں کی مختلف زاویوں سے نشاندہی کی ہے۔ ان کے لہجے میں ایک توازن اور ٹھہراؤ ہے۔ انہوں نے خواتین کی ذہنی الجھنوں کو محسوس کرتے ہوئے سماج کو نئے زاویے سے دیکھا ہے۔"ایک ٹکڑا دھوپ کا" میں شامل تقریبا تمام افسانے عورت کی پل پل بیتی زندگی کے بارے میں ان کے گونا گوں مشاہدات کا حصل ہے۔

ترنم ریاض کی کچھ کہانیوں میں مردانہ جبر کے خلاف ردعمل کی آہٹ ملتی ہے۔ عورت ان کی کہانیوں میں بھی موجود ہے لیکن ان کی بنیادی دلچسپی اشیاء اور اشخاص کو سطح کے نیچے اتر کر دیکھنے میں ہے۔ شاید اس وجہ سے احتجاج کا سُر اُن کے یہاں بہت ہلکا ہوتا ہے۔

نجمہ محمود کے مجموعہ" پانی اور چٹان" کی کہانیاں قدرے مختلف ہیں اور اپنی ایک الگ شناخت قائم کرتی ہیں۔ ان کہانیوں میں وجودیت حاوی ہے۔ اپنی ہی ذات تک کی

Scanned by CamScanner

ہوئی یہ کہانیاں رومانیت کی زیریں لہر سے عاری نہیں ہیں۔ ان کہانیوں میں علامتی اور تمثیلی اسلوب بھی ہے اور شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ ان کی کہانی "غار" سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو

"وجود مطلق، ایک تجلی، ایک نور   شعور کا نزول، الوہیت و تجسیم
ہم آہنگ ہوجاتے، اسی لیے اسے غار حرا کی یاد آئی اور حضرت پر وحی
نازل ہوئی کہ سکتی کی بے حد خوبصورت نظم بھی یاد آئی۔ غار اور گہرے
سمندر جو انسان کے پردے پر بار بار ابھرتا ہے کس بات کی نشاندہی
کرتا ہے۔ اسے الجھن ہوئی   غار کے اندر داخل ہونے کی
خواہش، جستجو   تنہائی اور تاریکی کا خوف، دعوت   راستے اور
بڑھتے ہوئے قدم۔"

حالانکہ کہ نجمہ محمود کی کہانیوں میں بھی عورت مرکز میں ہے مگر یہ عورت احتجاج کی آواز بلند نہیں کرتی بلکہ اپنی ذات کے کرب میں مبتلا نظر آتی ہے۔ اپنے وجود کو حقیقی شناخت اور منوانے کی کوشش کرتی عورت آخر میں دم توڑتی اور ہار مانتی دکھائی دیتی ہے۔ "پانی اور چٹان" کا یہ اقتباس دیکھیے

"رات آندھی اتنے زوروں سے آئی کہ دل دہل دہل گیا   وہ
اور تنہا ویران گھر   سائیں سائیں کرتی ہوائیں   حبس سے دم
گھٹتا رہا   حبس جس سے اسے بچپن سے   وحشت ہوتی تھی
اسے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی   دور دور تک اسے کوئی آواز
سنائی نہیں دیتی۔"

اس طرح ان تمام افسانوی مجموعوں کا موضوع عورت ہے تاہم بیان کی ترتیب اور راوی کے نقطۂ نظر کے باوجود کہیں Feminist زاویہ بہت نمایاں ہے اور کہیں ساتی اور

Scanned by CamScanner

معاشی مسائل کے مجموعی تناظر میں اس کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ ایسے میں نسوانیت کا آہنگ ثانوی ہو کر رہ گیا ہے۔ عورت کی جذباتی دنیا مرد کے مقابلے میں کہیں زیادہ نازک اور بھرپور ہے۔ جزئیات نگاری ان خواتین افسانہ نگاروں کا وصف خاص ہے۔ نفسیاتی الجھنوں اور جذباتی تناؤ کا بیان کثرت سے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ان کہانیوں میں دیہات اور شہر بھی ہے اور علاقائیت بھی۔ جیسے ''پیر زل'' کے کینوس پر کشمیر کا حال اور ماضی جادوئی نظر آتا ہے۔ ''ذروں کی حرارت'' میں راجستھان اپنی تمام رنگینیوں، کہانیوں اور اداسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے تو ''پیاس'' میں جنوبی ہندوستان کے مسلم معاشرہ کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ ''ایک ٹکڑا دھوپ کا'' شمالی ہندوستان میں آج کی خواتین کا ترجمان نظر آتا ہے۔ ''تعاقب'' میں علی گڑھ خاص طور سے اے۔ ایم۔ یو کیمپس کا کردار بہت نمایاں ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اکیسویں صدی کے شروعات میں شائع ہونے والے ان افسانوی مجموعوں میں سادہ بیانیہ بھی ہے اور ایسا بیانیہ بھی جس میں تجریدیت کے عناصر ملتے ہیں۔ مذکورہ خواتین افسانہ نگاروں نے صیغہ غائب سے بھی کام لیا ہے اور واحد متکلم سے بھی۔ ہر افسانہ نگار کے اپنے طریقے ہیں جن کے ذریعے وہ واقعات کو تشکیل دیتی اور کرداروں کو متحرک بناتا ہے۔ دیکھا یہ جائے گا کہ اس نے کن حربوں کے ذریعے قاری پر کس قدر اختیار رکھا اور اس اختیار کو آغاز سے اختتام تک کس ہنرمندی سے برتا ہے۔ ارتکاز کی یہ ہنرمندی ترنم ریاض کی کہانی ''کشتی'' ثروت خان کی ''فیک عدالت'' غزال ضیغم کی ''بے دروازے کا گھر''۔ ماہ جبیں نجم کی ''آپا'' نجمہ محمود کی ''تلاش'' اور حمیدہ خان کی کہانی ''ادھورے سپنے'' میں نمایاں ہے لیکن کہانی کہنے کا فن زیادہ منظم طریقے سے ترنم ریاض کی کہانی ''مجسمہ'' میں اپنا احساس دلاتا ہے۔

''مجسمہ'' کے مرکزی کردار عظمیٰ کو اپنی جائے پیدائش سے جذباتی لگاؤ ہے۔ اسے تباہی کی طرف جاتے دیکھ کر عظمیٰ کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ اپنے کو بہت ٹوٹا اور بکھرا

محسوس کرتی ہے اور سوچتی ہے کہ یہ سب کیسے ٹھیک ہوگا؟ حال، ماضی اور ماضی، حال کیسے بن سکے گا۔ اس سیدھے سادے پلاٹ کو تہہ دار اور معنی خیز بنانے میں ترنم ریاض نے بڑی ہنرمندی دکھائی ہے۔ انہوں نے محدود کینوس کو ارتسامات خیال اور باز آفرینیوں کے ذریعے اتنا وسیع کر دیا ہے کہ کل اور آج کے کشمیر کا پورا منظر نامہ قاری کے سامنے آ جاتا ہے اور اس طرح ماضی کو حال میں فوکس کرتے وقت Reflection اور Narration کا خوب صورت امتزاج بیانیہ کو اور پر اثر بنا دیتا ہے:

"رونق کتنی کم ہو گئی ہے۔" عظمی نے رونق کے غائب ہونے کی جگہ کم کہا تو فیروز کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کتنی یادیں وابستہ تھیں اس جھیل کے ساتھ وہ اپنے ابو امی اور بہن بھائیوں کے ساتھ ایک بڑی سی گھر نما کشتی میں، عمدہ پوشاک پہنے، سامان خورد و نوش سے لیس جھیل کی سیر کو نکلی ہے۔"

اور پھر دوران سیر ماضی کے واقعات تفصیل سے بیان کیے جاتے ہیں۔ بیان میں وہ ساحرانہ قوت ہے کہ قاری اپنے آپ کو اسی ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بے ترتیب واقعات جنہیں قاری ترتیب دیتا ہے، ترنم ریاض الگ الگ ٹکڑوں میں پیش کرتی ہیں بلکہ ایک اشارے میں ایک پورے واقعے کو پرو دیتی ہیں۔ کہیں جھیلوں کا ذکر ہے تو کہیں کشتی پر کی جانے والی کاشت کا۔ کبھی مغلوں کے زمانے کے غالیچے، پشمینے کے قالین وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے، کبھی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے وقت کے شہر کا نقشہ بیان کیا جاتا ہے تو کبھی نویں صدی کے راجہ اونتی ورمن کے درباری حکیم سُویہ کا ذکر، جس کی بدولت عوام بہت بڑی مصیبت سے نجات پاتی ہے یا پھر اس میوزیم کا بیان جس کے اندر پہنچ کر ترنم ریاض وقت کی سرحد کو کئی سو سال پیچھے تک لے جا کر آج کی صورت حال سے ملا دیتی ہیں۔ تیرہ صفحے کی اس کہانی میں وقت کی حدوں کو توڑتا ہوا منظر کئی بار بدلتا ہے خوبی یہ ہے

Scanned by CamScanner

کہ جس لیے سے کہانی کو اٹھایا گیا ہے، وہیں لاکر کہانی ختم کر دی گئی ہے۔ کہانی کا آغاز اس منظر سے ہوتا ہے

”للّی چیخ سن کر لوٹی تو دیکھا کہ اس کی سات سالہ بیٹی کا چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔ ”کیا ہوا بیٹا“..... وہ..... وہ مجسمہ چلنے لگا ہے امی..... وہ میری طرف ہی آ رہا ہے۔ نہیں بیٹے..... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ للّی نے جھک کر اس کے آنسو پونچھے..... مگر اس کا ہاتھ اس کے رخسار کے قریب ہی ٹھہر گیا اور وہ خود کسی پتھر کے بت کی طرح اس منظر کو دیکھتی رہ گئی، جسے اس کی عقل کسی صورت بھی قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔“

اور کہانی کا اختتام اس نکتے سے ہوتا ہے

”ادھیڑ عمر کنواری لڑکی کا وہ مجسمہ چمکتی آنکھوں سے دیکھتا ہوا انہیں کی طرف چلا آ رہا تھا۔ للّی دم بخود اسے دیکھتی رہ گئی۔“

اس طرح کہانی کا آغاز جس فضا اور ماحول سے ہوا تھا اختتام بھی اسی سچویشن پر ہوتا ہے اور یہ مجسمہ، مجسمہ نہیں بلکہ آج کا فرد بن جاتا ہے۔ پلاٹ کی تعمیر اس انداز سے ہوئی ہے کہ قاری کی دلچسپی نہ صرف قائم رہتی ہے بلکہ ہر پل تجسس بڑھتا رہتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ شعور واقعات کو ترتیب دیتے ہوئے گتھیوں کو سلجھاتا چلا جاتا ہے کہ کشمیر میں لڑکی ادھیڑ عمر تک پہنچ کر بھی کنواری کیوں رہ جاتی ہے؟ اس کی آنکھیں دروازے کو کیوں تکتی رہتی ہیں؟ اسے کس کا انتظار ہے؟ فضا میں بارود کی بو کیوں بسی ہوئی ہے؟ صاف شفاف جھیلوں کا پانی کیوں گدلا گیا ہے؟ پارک کیوں ختم ہو گئے اور ان میں قطار در قطار نئے نئے کتبے کیوں نصب ہو گئے اور ان کتبوں پر نئی نسل کے نام کیوں درج ہیں؟ اس طرح کے تمام سوالوں کے جواب قاری خود تلاش کرتا ہے۔ افسانے میں واقعات باہم آمیز ہو کر معنی کی تشکیل

Scanned by CamScanner

کرتے ہیں۔

اس طرح جن مجموعوں کا ابھی ذکر کیا گیا ان کی کہانیاں موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے اپنی پیش رو کہانیوں سے ان معنوں میں مختلف نہیں ہیں کہ ماضی سے بالکل الگ کسی نئی حسیت یا تکنیک کا سراغ ملے لیکن عورت اور اس کے صنفی مسائل بدلتے وقت کے ساتھ جو شکلیں اختیار کر رہے ہیں ان کا کچھ نہ کچھ عکس ان کہانیوں میں ضرور نظر آتا ہے۔ تاریخ کے تناظر میں ایک اہم معاشرتی دستاویز کی حیثیت سے فکشن کا جو کردار ہوتا ہے اس کے اعتبار سے یہ کہانیاں بھی اپنے وقت اور سماج کی ترجمان ہیں۔

Scanned by CamScanner